ایمان افروز اور سبق آموز کہانیوں کا سلسلہ

# آستین کے سانپ

کہانی نمبر 3

# فتنوں کی بارات

عزام محسن

اساس انسٹیٹیوٹ

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

| | |
|---|---|
| نام مجموعہ: | آستین کے سانپ |
| نام کہانی: | فتنوں کی بارات |
| مصنف: | عزام محسن |
| تعداد: | ایک ہزار |
| تاریخ: | جنوری2024 |
| زیرانتظام: | اساس انسٹیٹیوٹ |
| پبلشر: | اردو سرائے |
| رابطہ نمبر: | محمد عبداللہ 03349363518 |

# دل کی بات

قدرت نے انسان کے سامنے دو راستے رکھے ہیں۔ ایک حق اور دوسرا باطل... ایک سچ اور دوسرا جھوٹ... ایک صحیح اور دوسرا غلط... اس وقت دنیا میں جتنی بھی نظریاتی محنت ہو رہی ہے، اس میں ہر کوئی اپنے آپ کو حق اور سچ کا دعویدار کہتے ہوئے دوسرے کو غلط اور جھوٹ ثابت کر رہا ہے۔

خالقِ کائنات نے اپنی کتاب، قرآن مجید فرقانِ حمید میں حق اور باطل کی نشانیاں واضح کی ہیں۔ حق والوں کا راستہ بھی بتایا ہے اور باطل کی ریشہ دوانیوں سے بھی پردہ چاک کیا ہے۔ باطل نے حق کا راستہ روکنے کے لیے کبھی علی الاعلان اُسے للکارا ہے اور کبھی حق کا جعلی روپ دھار کر بہروپیے کی شکل اختیار کی اور حق والوں کو سیدھے راستے سے بھٹکانے کی کوشش کی ہے۔ اس ساری محنت کے پیچھے نسلِ آدم کا ازلی دشمن ابلیس ہی ہے۔

ابلیس جب سے راندۂ درگاہ ہوا، تب سے ہی انسان کو گمراہ کرنے پر لگا ہوا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں انسان کے لیے درست راستے کا انتخاب ضروری اور لازم ہو جاتا ہے۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفی ﷺ دراصل خاتم النبین ہیں۔ ان کے بعد قیامت تک کوئی نبی اپنی نبوت کے ساتھ نہیں آئے گا، مگر قدرت کے اس فیصلے سے بغاوت کرنے والے کئی شیطان کے ہرکارے میدان میں آئے، اپنا اپنا منجن بیچا، عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی۔ انہیں میں ایک نام مرزا غلام احمد قادیانی کا ہے جس نے خود کو یسوع مسیح کہتے ہوئے نبوت جیسے عظیم مرتبے کی توہین کی۔

مرزے کی سوچ دراصل ہندوستان میں انگریز سرکار کی طے شدہ پالیسی کا تسلسل تھی۔ قیامِ

پاکستان کے بعد مرزے کے بدبخت پیروکاروں نے اس نئے اسلامی ملک میں اپنے پنجے گاڑنے شروع کردیے۔ مگر فدایانِ ختم نبوت کی بیش بہاقربانیوں کی بدولت حکومتِ پاکستان کو انھیں غیر مسلم اور کافر قرار دیناپڑااور اب ان کا کفر آئینِ پاکستان کا حصہ ہے۔ مگراس کے باوجود قادیانی اسلام کا لبادہ اوڑھے مسلمانوں کو بہکانے میں مصروف ہیں ۔اسی سلسلے میں ادارہ ''اساس'' نے بھرپور انداز میں جواب دیتے ہوئے اہلِ اسلام کوان کی چالوں سے خبردار کیاہے۔

قادیانیت کے مکروہ چہرے سے نقاب اتارتے ایسے واقعات،ایسی کہانیاں جوروز کہیں نہ کہیں وقوع پذیر ہوتی ہیں،ادارہ اساس نے انھیں جمع کرکے نئے اسلوب کے ساتھ ''آستین کے سانپ'' کا عنوان دیا ہے ۔ یہ کہانیاں مختلف ذیلی عنوانات کے ساتھ اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔انھیں خود بھی پڑھیے اور دوسرے مسلمانوں تک پہچانے میں ہمارے معاون بھی بنیے۔

**اساس انسٹیٹیوٹ**

# فتنوں کی بارات

حسب معمول آج پھر اُس گھر سے شدید لڑائی کی آوازیں آرہی تھیں۔آس پاس کے لوگ میاں بیوی کی لڑائی کے عادی ہو چکے تھے۔کچھ گھرانے تو ایسے بھی تھے کہ جو اس روزروز چخ چخ سے تنگ آچکے تھے، لیکن آج تو حد ہو گئی، لڑتے لڑتے کچھ دیر بعد بات ہاتھا پائی تک پہنچ گئی تھی۔ محلے داروں نے آگے بڑھ کر بیچ بچاؤ کروایا تو غصے ہیں بپھرتا ہوا شوہر گھر سے نکلا اور اپنے دوستوں کے پاس چلا گیا۔پڑوسن خالہ جلدی سے آئی اور جھگڑالو شوہر کی بیوی کو دلاسہ دینے لگی۔

”اے لڑکی۔۔!کیوں روزروز تمھارے گھر میں لڑائی رہتی ہے؟“

پڑوسن خالہ نے قریب کھڑی لڑکی سے پوچھا تو وہ بے چاری آنکھیں پونچھتے ہوئے کمرے میں چلی گئی۔

”لڑائی کیوں ہونی ہے بھلا بہن...!گھر میں کھانے کے لالے پڑے ہوئے ہیں اور اِسے کچھ فکر ہی نہیں ہے۔“

”اوہو...تو یہ بات ہے۔اللہ خیر کرے گا بہن۔۔!“

”بچے کھانے کو ترس رہے ہیں اور اس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔کام کاج یہ کرتا نہیں، ابھی بھی اسی بات پہ جھگڑا چل رہا تھا۔“

حمیدہ نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔پڑوسن نذیراں نے اسے حوصلہ اور تسلی دی۔اتنے میں حمیدہ کا شوہر خالد ایک بار پھر گھر داخل ہوتا ہوا دکھائی دیا۔وہ بھی شدید غصے میں دکھائی دے رہا

تھا۔

خالہ نذیراں نے دونوں میاں بیوی یعنی خالد اور حمیدہ میں صلح کروانے کی کوشش کی تو دونوں نے ایک دوسرے پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی۔ کوئی بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھا۔ خالہ نذیراں نے خالد کو مخاطب کیا:

"بھائی... ! آخر تم کوئی کام وام کیوں نہیں کرتے؟ تمھارے بیوی بچوں کا تم پر حق ہے۔ وہ اپنی ضروریات کے لیے اگر تمھیں نہیں کہیں گے تو پھر اور کس سے آس یا امید لگائیں؟"

"دیکھ خالہ نذیراں... ! کیا کوئی انسان، جس کے سینے میں دل ہو، وہ یہ سوچ سکتا ہے کہ اس کے بچے بھوکے مریں؟ میں اتنا بے حس تو نہیں ہوں۔ مگر کیا کروں؟ بہت کوشش کر چکا ہوں، لیکن روزگار نہیں مل سکا۔ اس سے پہلے میں جہاں نوکری کرتا تھا، انہوں نے بغیر وجہ بتائے نوکری سے نکال دیا۔ پھر میں نے ایک اسٹال لگانا شروع کیا تو انتظامیہ نے تجاوزات کے نام پر چیزیں ضبط کر لیں۔ میں دیہاڑیاں لگا چکا ہوں۔ مزدوریاں اور نہ جانے کیا کیا... لیکن اخراجات اتنے زیادہ ہیں کہ اس میں... !!"

اتنا کہہ کر خالد بھی ذرا آبدیدہ ہو گیا۔ خالہ نذیراں لڑائی کی ساری وجہ سمجھ چکی تھی۔ اس نے خالد کی بات سن کر افسوس کا اظہار کیا اور اسے بہترین رزق کی دعا دیتی ہوئی اپنے گھر کو چل دی۔

....☆...

عبداللہ کے خاندان کو اس محلے میں آئے ابھی چند مہینے گزرے تھے۔ یہ بہت شریف اور سادہ دل لوگ تھے۔ پورا محلہ ان کی شرافت کا گرویدہ ہو گیا تھا۔ خود بھی علاقے بھر کے لوگ آپس میں پیار محبت سے رہتے تھے۔ عبداللہ کے والد ایک غیر سرکاری فرم میں آفیسر تھے۔ جب کہ خود عبداللہ یونیورسٹی کا طالب علم تھا۔ وہ صبح یونیورسٹی جاتا اور شام کو کچھ دیر فٹ بال کی گیم کرتا، پھر اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر پڑھائی وغیرہ کیا کرتا تھا۔

اس کا اٹھنا بیٹھنا بہت محدود دوستوں کے ساتھ تھا۔ اسی دوران محلے میں کریانہ مرچٹّا کی ایک نئی دکان کا افتتاح ہوا۔ یہ دکان عبداللہ کے دوست احمد یار کے والد صاحب نے بنائی تھی۔ اب کبھی

کبھار سب دوست اس دکان کے باہر اکٹھے ہو کر گپ شپ لگانا شروع ہو گئے۔

دکان کے مالک عبدالرحیم صاحب انسان دوست اور ہنس مکھ طبیعت کے مالک تھے۔ قدرے مذہبی رجحان کی وجہ سے عبداللہ کے دوست کبھی شرارت سے اُسے مولوی عبداللہ بھی کہہ دیتے تھے، لیکن وہ اس بات کو منفی نہیں لیتا تھا۔ بلکہ عبداللہ کی وجہ سے تو اس کے کئی دوست نماز باقاعدگی سے ادا کرنے لگ گئے تھے۔ مثبت تبدیلی دیکھ کر سب دوستوں کے والدین اپنے بچوں کو عبداللہ کے ساتھ وقت گزارنے پر کبھی پوچھ تاچھ نہیں کرتے تھے۔

''عبداللہ... !ایک کام کرتے ہیں، محلے میں غریب لوگوں کی ضروریات کے لیے ایک فلاحی انجمن بناتے ہیں۔ جس ہیں سب دوست ہر ماہ تھوڑی بہت رقم جمع کروایا کریں گے۔ کیا خیال ہے ؟''مبین نے عبداللہ کے سامنے ایک تجویز رکھی تھی۔

''ارے واہ... !!کیوں نہیں! یہ کام تو لازمی ہونا چاہیے بھئی! اس سے اللہ بھی خوش ہوگا اور لوگوں کی ضروریات بھی پورا ہوں گی۔''

عبداللہ نے جواب دیا اور احمد یار کی دکان ''سفیان کریانہ مرچنٹ'' پر اگلے روز اپنے تمام دوستوں کی میٹنگ بلالی۔ یعنی وہ اس حوالے سے کچھ عملی کام کرنا چاہتے تھے۔ چناں چہ اگلے روز اس انجمن کی بنیاد رکھ دی گئی۔ ضرورت مند گھرانوں کا خفیہ طریقے سے پتا چلایا گیا۔ پہلے مہینے جن تین گھروں کو منتخب کیا گیا، وہ واقعی ضرورت مند اور سفید پوش تھے۔

عبداللہ اپنے چند دوستوں کے ہمراہ اشیائے خورد و نوش کے لیے چندہ اکٹھا کیا، پھر ایک مہینے کا راشن لے کر منتخب شدہ گھروں کی طرف روانہ ہو گئے۔ رات کا اندھیرا تھا۔ ایک گھر کے سامنے وہ رُک گئے، اندر سے لڑائی جھگڑے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پاس پڑوس کے لوگوں نے بتایا کہ یہ آوازیں اکثر آتی رہتی ہیں۔ کیوں کہ شوہر کے پاس کوئی کام وام نہیں ہے اور گھر میں فاقے چل رہے ہیں۔

احمد یار نے افسوس کا اظہار کیا اور عبداللہ سے مشورہ کرنے لگا: ''یار عبداللہ... ! ہم ان کی مدد تو کر دیں، مگر اصل خدمت یہ ہو گی کہ گھر کے سربراہ کو کسی نوکری پہ رکھوا دیں یا کوئی کاروبار کروا

دیں۔ کیا خیال ہے آپ سب کا؟'' احمد یار نے کہا تو سب سوچ میں پڑ گئے۔

'' بالکل ٹھیک کہا.... ہم اس بات کی تائید کرتے ہیں۔'' سب نے یک زبان کہا۔

'' ویسے بھی کسی آدمی کو خیرات کا عادی کر دینا، اسے جیتے جی مار دینے کے مترادف ہوتا ہے۔
''

عبداللہ نے احمد یار کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا، پھر انھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک دراز قد، سانولے سے آدمی نے دروازہ کھول کر حیرت سے ان کی طرف دیکھا، عبداللہ نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور اپنے آنے کا مقصد بیان کیا۔

یہ سنتے ہی اس آدمی کے چہرے پر رونق آگئی، اس نے فلاحی ٹیم سے ملنے والا راشن کا ڈبہ اٹھایا اور اپنے گھر لے گیا، واپس آکر اس نے سب نوجوانوں کا شکریہ ادا کیا۔ ساتھ ہی اس نے تعارف کرواتے ہوئے اپنا خالد بتایا تھا۔ نوجوانوں کی فلاحی ٹیم نے خالد کو حوصلہ دیا اور اسے کسی نوکری یا کاروبار کی آفر بھی کر دی۔

خالد نے یہ سنتے ہی نوجوانوں کو جی بھر کے دعائیں دیں اور بتایا کہ میں خوددار انسان ہوں۔ کبھی محنت سے جی نہیں چراتا، آپ لوگ جو بھی میرے لیے کریں گے، ہر طرح کی نوکری یا کاروبار کے لیے تیار ہوں۔

اگر اس میں کوئی رقم خرچ ہوتی ہے، تو میں حالات بہتر ہوتے ہی آپ کو اس کی پائی پائی واپس کر دوں گا۔ عبداللہ اور اس کی ٹیم پہلے کامیاب مشن کے بعد واپس روانہ ہو چکی تھی۔ وہ دلی طور پر سکون محسوس کر رہے تھے۔

خالہ نذیراں نے گھر جا کر حمیدہ اور خالد کی لڑائی کے حوالے سے بات کی۔ سب گھر والوں نے اس لڑائی اور ان کے برے حالات پر افسوس کا اظہار کیا اور ان کے لیے دل سے دعا کی۔

'' امی جان... ! ویسے میرے ذہن میں ایک آئیڈیا ہے۔'' خالہ نذیراں کی بیٹی نادیہ نے کہا۔

'' کیسا آئیڈیا...؟''

''امی جان ...! بات یہ کہ میں جس اسکول میں پڑھاتی ہوں، وہاں ایک ملازم کی ضرورت ہے۔ ساتھ والے خالد انکل کو اس ملازمت کا بتانا چاہیے یا نہیں؟ نادیہ نے امی کو بتایا تو خالہ نذیراں نے سر ہلا دیا۔

''ضرور بتانا چاہیے بیٹی....!! میں ابھی ان کی بیوی سے بات کرتی ہوں۔'' یہ کہہ کر خالہ نذیراں دوبارہ اپنے پڑوس میں جا پہنچیں۔ انھوں نے اسکول والی نوکری کی بات جب اُن کے سامنے رکھی، تو خالد فوراً راضی ہو گیا۔

اگلے دن خالد، ٹیچر نادیہ کے بتائے ہوئے ایڈریس پر پہنچا اور اسکول انتظامیہ سے ملاقات کی، لیکن انتظامیہ نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ ہم ایک آدمی کو آج ہی اس ملازمت پر منتخب کر چکے ہیں۔ وہ مایوس ہو کر جانے لگا تو پیچھے سے آواز آئی:

''رُکیے... ہمارے پاس ایک اور آفر ہے آپ کے لیے۔'' وائس پرنسپل میڈم جمیلہ نے کہا۔

''وہ کیا میڈم جی...!'' خالد نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''ہمارے اسکول میں ایک کینٹین ہے، جسے حاجی بابا چلاتا تھا۔ اس کا انتقال ہو گیا تھا۔ کچھ عرصے سے کینٹین بند پڑی ہے۔ اسکول انتظامیہ نے اب یہ کینٹین کسی اور کو ٹھیکے پہ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو کرنا چاہیں تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔''

''ہاں جی میڈم...! بات تو ٹھیک ہے، مگر کینٹین لینے کے لیے پہلے اسکول انتظامیہ کو سیکیورٹی کی مد میں پیسے بھی جمع کروانے پڑیں گے، مگر میرے پاس تو پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔''

خالد کی اس بات پر وائس پرنسپل خاموش ہو گئیں۔ وہ دوبارہ گویا ہوا:

''میم.... اگر مجھے آج کا دن دے دیں تو کل میں اس حوالے سے آپ کو بتا دوں گا۔''

خالد نے کہا تو مس جمیلہ نے ٹھیک ہے کہہ کر اسے کل تک کے لیے موقع فراہم کر دیا۔

...☆...

خالد نے واپسی پر عبداللہ کی فلاحی ٹیم سے رابطہ کیا اور انھیں سکول کی کینٹین کے حوالے سے بتایا تو سب دوستوں نے مشورے کے لیے سر جوڑ لیے۔ آخر طے ہوا کہ مل جل کر کچھ رقم اکٹھی کی

جائے اور اسکول انتظامیہ کو سیکورٹی کو ایڈوانس کرائے کی مد میں ادا کر کے کینٹین کا انتظام خالد کی حوالے کر دیا جائے۔

چناں چہ اگلے چوبیس گھنٹوں میں عبداللہ کی ٹیم یہ مطلوبہ رقم اکٹھی کر چکی تھی۔ خالد کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ محنت کرنا جانتا تھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے بعد اپنے ان محسنوں کا وہ بے حد شکر گزار تھا۔ کچھ ہی دنوں میں جھاڑ پونچھ کر کے کینٹین کا مکمل انتظام خالد کے ہاتھ میں تھا۔ اب بچوں کو کھانے پینے کی چیزیں لینے اسکول سے باہر نہیں جانا پڑتا تھا۔ اسکول انتظامیہ اور باقی سٹاف بھی خالد کے ابتدائی کام سے مطمئن اور خوش تھے۔

خالد کے بچے اور بیگم نے اس کام ہیں اپنے شوہر کا بھرپور ساتھ نبھایا۔ کینٹین پر شروع شروع میں انھوں نے گھر میں تیار کیے گئے سموسے، پکوڑے اور چپس رکھنا شروع کیے۔ پھر رفتہ رفتہ کھانے پینے کی چیزوں میں اضافہ ہونے لگا۔

پیکنگ والی چیزوں میں بسکٹ، نمکو، چپس اور مختلف قسم کی چاکلیٹس کینڈی وغیرہ شامل تھیں۔ خالد اپنی پڑوسن خالہ نذیراں کے ساتھ ساتھ ان کی بیٹی کا بھی شکر گزار تھا کہ جس نے اس کام کے لیے اپنے گھر والوں کو تجویز دی تھی۔ اللہ کا کرنا یہ ہوا کہ خالد کا کام چل پڑا اور رفتہ رفتہ اچھی خاصی کمائی ہونے لگی۔ دو سال کا عرصہ کیسے گزرا، کسی کو پتا ہی نہ چلا۔ اب اس کی خواہش تھی کہ اُس کا اپنا جنرل اسٹور ہو۔ اس مقصد کے لیے اُس نے اپنے گھر کے اخراجات کے ساتھ ساتھ کچھ رقم جمع کرنا بھی شروع کر دی تھی۔

دو سال بعد اس نے اپنا گھر چھے مرلے کا گھر فروخت کیا اور تین گلیاں چھوڑ کر چار مرلے کا ایک صاف ستھرا گھر خرید لیا، جس کے باہر ایک عدد دکان بھی تھی۔ اسی دکان کو اس نے اپنے کاروبار کا نیا اڈا بنایا اور اسکول کی کینٹین کو خیر باد کہہ دیا۔

اپنے پڑوسیوں سے دور جانے کے باوجود خالد کے گھر والے خالہ نذیراں کو نہیں بھولے تھے۔ آپس میں وہ ایک دوسرے کے گھر آتے جاتے رہتے تھے۔ اسی دوران خالہ نے خوش خبری سنائی کہ انھوں نے نادیہ کے لیے ایک جگہ رشتہ دیکھا ہے۔

''ارے واہ۔۔۔! کہاں؟ کیا لڑکے والے آپ کو جانتے ہیں؟''

حمیدہ نے خالہ نذیراں پر ایک دم سوالات کی بوچھاڑ کر دی تھی۔

''بھئی اگر جانتے نہیں ہیں تو جان جائیں گے ناں۔۔!!''

''اوہ اچھا! کیسا ہے لڑکا؟''

''سنا ہے کافی امیر ہے۔بس میں چاہتی ہوں کہ آپ اور بھائی خالد بھی منگنی والے دن ہمارے ساتھ چلیں۔'' خالہ نذیراں نے خواہش ظاہر کی تو حمیدہ نے فوراً خوشی خوشی ہاں کر دی۔

...☆...

خالد کی دکان صرف چھے ماہ میں ترقی کرتے کرتے ایک بڑے اسٹور کا روپ دھار چکی تھی۔یقیناً اس میں اللہ پاک کا کرم اور خالد کی محنت کے ساتھ ساتھ عبداللہ اور اس کی ٹیم کا ہاتھ بھی تھا۔خالد اب عبداللہ کی ٹیم کے لیے ڈونر کی فہرست میں نام بنا چکا تھا۔یعنی وہ قرض جو اس نے اپنے کاروبار کی مد میں لیا تھا، اب اس کے چکانے کا وقت تھا۔وہ خوشی خوشی اس کام کے لیے تیار تھا۔

عبداللہ آج جیسے ہی خالد کے سپر اسٹور پہ پہنچا تو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ خلافِ معمول کافی بنا سنورا سا بیٹھا تھا۔

''ارے واہ۔۔۔! خالد بھائی! کہاں کے ارادے ہیں آج؟ بڑے پیارے لگ رہے ہیں۔''

''لو جی! بڑی عمر ہے آپ کی عبداللہ بھائی ۔۔۔!! مجھے ذرا ایک شادی میں شرکت کرنی ہے۔شام تک واپسی ہو جائے گی۔اگر آپ اسٹور پر بیٹھنا چاہو، تو یہ چابی اپنے پاس رکھ لو۔''

''ارے بھائی! کیا کوئی اہم شادی ہے؟نہ بھی جاؤ تو شاید گزارا ہو جائے، کیوں کہ آج ہم سب خیراتی کام کے سلسلے میں ایک میٹنگ کرنے والے ہیں۔'' عبداللہ نے اسٹول پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''عبداللہ بھائی! یہی میٹنگ اگر آپ رات کو رکھ لیں تو میرے لیے آسانی ہو جائے گی، کیوں کہ شادی اتنی ضروری ہے جیسا کہ میری اپنی بیٹی کی ہو۔کیا خیال ہے اس بارے آپ کا۔'' خالد نے مجبوری ظاہر کی۔

''پھر تو ٹھیک ہے بھائی، رات کو ہی رکھ لیں گے، مگر کیا اتنی جلدی آپ واپس آجائیں گے؟''

''ارے۔۔! زیادہ دور نہیں ہے، یہاں سے تین گلیاں دور ہمارے پرانے گھر پڑوسی ہیں ناں، ان کی بیٹی نادیہ کی شادی ہے۔ وہی نادیہ جس نے مجھے اسکول کی جاب اور کینٹین کے حوالے سے بتایا تھا۔ وہ اسی اسکول میں تب سے اب تک جاب کر رہی ہے۔''

خالد نے تفصیل بتائی۔

''اوہ! اچھا اچھا.... میں بھی حیران تھا کہ آپ تو اکثر شادیوں میں جاتے ہی نہیں، تو پھر یہ کون سی شادی آگئی۔''

عبداللہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''جی بالکل! اس گھرانے سے ہمارے تعلقات بڑے اچھے ہیں جی! یہاں تک کہ نادیہ بیٹی کی منگنی پر بھی ہم گئے تھے۔''

''بہت اچھے.... لڑکا کیا کرتا ہے خالد بھائی!'' عبداللہ نے پوچھا۔

''بزنس ہی کرتا ہے کوئی، مگر ہمیں علم نہیں۔ بس اتنا پتا ہے کہ سونے میں کھیلتا ہے، بہت امیر ہے۔ وہ ہے ناں پنجاب ٹاؤن میں سب سے بڑی نیلی کوٹھی، ان کا لاڈلا بیٹا ہے۔''

''کیا.... پنجاب ٹاؤن کی نیلی کوٹھی والے؟''

''کیوں؟ کیا ہوا...؟'' خالد حیران ہوا۔

''اُن کا چال چلن تو کچھ مشکوک سا ہے خالد بھائی....!!''

''نہیں جی! انھوں نے سب کچھ اپنے بارے میں بتایا ہے۔ لڑکا احمدی مسلمان ہے، نیک ہے اور کسی برائی سے اس کا تعلق نہیں ہے۔''

''مگر ان کی تو پہچان ہی اصل برائی ہے، اور کسی برائی سے تعلق ہو یا نہ ہو۔ اور یہ احمدی یعنی قادیانی بھلا کب سے مسلمان ہو گئے؟ یہ تو پاکستان کے آئین کے مطابق غیر مسلم ہیں۔'' عبداللہ نے کہا تو اس پر خالد بھی کچھ پریشان سا ہو گیا۔

چناں چہ معاملہ فوری طور پر لڑکی کے اہل خانہ سے بیان کیا گیا۔ جہاں لڑکی کے کئی رشتہ دار موجود تھے۔ احمدی لفظ سن کر دلہن کے دونوں ماموں بھڑک اٹھے۔ انھوں نے فوراً لڑکے سے

تصدیق چاہی تو وہ سرے سے احمدی ہونے سے انکاری ہو گیا۔البتہ اس کے چہرے کا اڑا ہوا رنگ بتا رہا تھا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔

''لڑکے نے تو صاف انکار کر دیا ہے۔اب کیسے تصدیق ہو سکتی ہے بھلا؟'' نادیہ کے ایک ماموں نے پریشانی سے کہا۔

''حیرت ہے.... انھوں نے ہمیں خود بتایا تھا کہ وہ احمدی مسلمان ہیں،اور اب انکاری ہیں۔'' خالد نے حیرت سے کہا۔ معاملات کچھ اُلجھ سے گئے تھے،اتنے میں کچھ مزید مہمان اس معاملے میں کود پڑے۔

''بھئی کیا ہو گیا تم لوگوں کو...؟ یہ کوئی بڑا معاملہ نہیں ہیں۔بعد میں تصدیق کرتے رہنا، پہلے نکاح پڑھاؤ۔''

نادیہ کے خالو نے سگریٹ سلگاتے ہوئے یوں کہا کہ جیسے قادیانی ہونا اس کیلیے کوئی مسئلہ ہی نہ ہو۔ مگر نادیہ کے دونوں ماموں چونکہ دین کا تھوڑا بہت علم رکھتے تھے،اس لیے انھوں نے فوراً نکاح پڑھانے سے معذرت کر لی۔کچھ دیر انتظار کا کہہ کر وہ مشورہ کرنے لگے۔ چناں چہ طے یہ ہوا کہ اس معاملے میں مقامی ایک انجمن ''ختم نبوت'' کے لوگوں سے مشاورت کی جائے۔ چناں چہ فیصلہ ہوتے ہی وہ انجمن کے دفتر روانہ ہو گئے۔جہاں ایک عالمِ دین سے بات ہوئی۔

مولانا نے دریافت کیا کہ کیا ایسا ممکن ہے کہ ہم لڑکے کے اہل محلہ سے جا کر تصدیق کر لیں؟اس پر سبھی راضی ہو گئے۔

''بالکل !کیوں نہیں... ہم وہیں چلتے ہیں۔''

یہ کہتے ہوئے لڑکی کے ایک ماموں نے مولانا اور ان کے ایک ساتھی کو اپنے ہمراہ لیا اور کسی کو بتائے بغیر سب سے پہلے لڑکے کی رہائش گاہ کی جانب چل دیے۔ تقریباً پندرہ منٹ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد آخر وہ منزل تک پہنچ گئے۔ جیسے ہی انھوں نے برہان کے بارے میں اہل علاقہ سے دریافت کیا تو سب نے اس بات کی تصدیق کی کہ وہ پورا خاندان قادیانی مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔

حقیقت کھل کر سامنے آچکی تھی۔ اگلے آدھ گھنٹے بعد بارات کو ناکام نامراد لوٹنا پڑ رہا تھا۔ لڑکے والے سخت غصے میں تھے۔ اس پر نادیہ کے ماموؤں نے دھوکہ دہی کے الزام میں ان پر کیس کرنے کی بات کی تو سب کے سب چپ چاپ نکل لیے۔ یوں ایک مسلمان گھرانے کی بچی تھوڑی سی غلطی اور لاعلمی کی وجہ سے باطل کے شکنجے میں جانے سے بچ گئی۔

عام لوگوں کو اس بات کا علم ہوا تو سب اکٹھے ہو گئے۔ اب محلے بھر میں ختم نبوت زندہ باد کے نعرے لگ رہے تھے۔ نادیہ کے ماموں اور والدین اپنی آنکھیں کھلنے پر رب تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے تھے۔ ساتھ ساتھ وہ عبداللہ کے لیے دعاؤں کا اہتمام کیے ہوئے تھے۔

اے کاش! ہمارے مسلمان گھرانوں کو ختم نبوت کے اصل مطلب، مقاصد، فضیلت اور اس کی اہمیت کا علم ہو تو یوں وہ سر بازار فتنوں کے ہاتھوں لٹنے سے از خود بچ جائیں۔ ورنہ یہ فتنے ہمارے آس پاس ہمارے بہت سے پیاروں کو اپنی لپیٹ میں لے کر دین اسلام سے دور کرنے میں کبھی دیر نہیں لگاتے۔

آپ ذرا اندازہ لگائیے کہ کیسے ایمان کے ڈاکو جھوٹ بول کر سادہ لوح مسلمان بچیوں کا ایمان لوٹتے ہیں، پھر ان کی پوری زندگی تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ یہاں بھی کچھ ایسا ہی ہونے جا رہا تھا، مگر اس خاندان کی اصلیت سامنے آنے پر سب محلہ داروں نے بھی اِن سے بائیکاٹ کر دیا اور جس کے نتیجے میں ایک عرصہ کے بعد وہ قادیانی خاندان اپنے فتنوں کی برات لیے یہاں سے بیرون ملک منتقل ہو گیا۔

☆....☆....☆